وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٤٨﴾

تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے' بیشک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے [1] اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر۔ (۴۸)

وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿٤٩﴾

اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ [2] اور ستاروں کے ڈوبتے وقت بھی۔ [3] (۴۹)

سُوْرَةُ النَّجْمِ

سورۂ نجم مکی ہے اور اس میں باسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

نہیں سمجھتے اس لیے گناہوں سے تائب نہیں ہوتے بلکہ بعض دفعہ پہلے سے بھی زیادہ گناہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس طرح ایک حدیث میں فرمایا کہ "منافق جب بیمار ہو کر صحت مند ہو جاتا ہے تو اس کی مثال اونٹ کی سی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں رسیوں سے باندھا گیا۔ اور کیوں کھلا چھوڑ دیا گیا؟ (أبو داود' كتاب الجنائز' نمبر ۳۰۸۹)

(۱) اس کھڑے ہونے سے کون سا کھڑا ہونا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں جب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ جیسا کہ آغاز نماز میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ . . . پڑھی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں' جب نیند سے بیدار ہو کر کھڑے ہوں۔ اس وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں۔ جیسے حدیث میں آتا ہے۔ جو شخص کسی مجلس سے اٹھتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا تو یہ اس کی مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ. (سنن الترمذي' أبواب الدعوات' باب ما يقول إذا قام من مجلسه)

(۲) اس سے مراد قیام اللیل۔ یعنی نماز تہجد ہے' جو عمر بھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا۔

(۳) أَيْ: وَقْتَ إِدْبَارِهَا مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ اس سے مراد فجر کی دو سنتیں ہیں' نوافل میں سب سے زیادہ اس کی نبی ﷺ حفاظت فرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا "فجر کی دو سنتیں دنیا وما فیہا سے بہتر ہے" (صحيح بخاري' كتاب التهجد' باب تعاهد ركعتي الفجر ومن سماهما تطوعا' و صحيح مسلم' كتاب الصلوة' باب استحباب ركعتي الفجر)

☆ یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے مجمع عام میں تلاوت کیا' تلاوت کے بعد آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے پیچھے جتنے لوگ تھے' سب نے سجدہ کیا' سوائے امیہ بن خلف کے' اس نے اپنی مٹھی میں

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝١
قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔[1] (۱)

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝٢
کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے۔[2] (۲)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝٣
اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔(۳)

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝٤
وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔[3] (۴)

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى ۝٥
اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔(۵)

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝٦
جو زور آور ہے[4] پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔(۶)

مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ چنانچہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا (صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نجم) بعض طریق میں اس شخص کا نام عتبہ بن ربیعہ بتلایا گیا ہے (تفسیر ابن کثیر) وَاللّٰہُ أَعْلَمُ۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سورت کی تلاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں کیا (صحیح بخاری، باب مذکور) اس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ کرنا مستحب ہے، فرض نہیں۔ اگر کبھی چھوڑ بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

(۱) بعض مفسرین نے ستارے سے ثریا ستارہ اور بعض نے زہرہ ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے جنس نجوم۔ ھَوٰی اوپر سے نیچے گرنا، یعنی جب رات کے اختتام پر فجر کے وقت وہ گرتا ہے، یا شیاطین کو مارنے کے لیے گرتا ہے یا بقول بعض قیامت والے دن گریں گے۔

(۲) یہ جواب قسم ہے۔ صَاحِبُكُمْ (تمہارا ساتھی) کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو واضح تر کیا گیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے۔ راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد جو وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہو سکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے۔ ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت، وہ کجی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ بیان فرمائی۔

(۳) یعنی وہ گمراہ یا بہک کس طرح سکتا ہے، وہ تو وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی ہی نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ مزاح اور خوش طبعی کے موقعوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حق کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا (سنن الترمذی، أبواب البر، باب ماجاء فی المزاح) اسی طرح حالت غضب میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جذبات پر اتنا کنٹرول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کوئی بات خلاف واقعہ نہ نکلتی (أبوداود، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم)

(۴) اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے جو قوی اعضا کا مالک اور نہایت زور آور ہے، پیغمبر پر وحی لانے اور اسے

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝	اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ [۱] (۷)
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝	پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ [۲] (۸)
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝	پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ [۳] (۹)
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝	پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی [۴] جو بھی پہنچائی۔ (۱۰)
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝	دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ [۵] (۱۱)
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝	کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔ (۱۲)
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝	اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ (۱۳)
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝	سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ [۶] (۱۴)
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝	اسی کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔ [۷] (۱۵)

سکھلانے والا یہی فرشتہ ہے۔

(۱) یعنی جبرائیل علیہ السلام یعنی وحی سکھلانے کے بعد آسمان کے کناروں پر جا کھڑے ہوئے۔

(۲) یعنی پھر زمین پر اترے اور آہستہ آہستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔

(۳) بعض نے ترجمہ کیا ہے 'دو ہاتھوں کے بقدر' یہ نبی ﷺ اور جبرائیل علیہ السلام کی باہمی قربت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی قربت کا اظہار نہیں ہے' جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں۔ آیات کے سیاق سے صاف واضح ہے کہ اس میں صرف جبرائیل علیہ السلام اور پیغمبر کا بیان ہے۔ اسی قربت کے موقعے پر نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو انکی اصل شکل میں دیکھا اور یہ بعثت کے ابتدائی ادوار کا واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا۔ دوسری مرتبہ اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا۔

(۴) یعنی جبرائیل علیہ السلام' اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ کے لیے جو وحی یا پیغام لے کر آئے تھے' وہ انہوں نے آپ ﷺ تک پہنچایا۔

(۵) یعنی نبی ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اصل شکل میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا' اس کو آپ ﷺ کے دل نے جھٹلایا نہیں' بلکہ اللہ کی اس عظیم قدرت کو تسلیم کیا۔

(۶) یہ لیلۃ المعراج کو جب اصل شکل میں جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا' اس کا بیان ہے۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ' ایک بیری کا درخت ہے جو چھٹے یا ساتویں آسمان پر ہے اور یہ آخری حد ہے' اس سے اوپر کوئی فرشتہ نہیں جا سکتا۔ فرشتے اللہ کے احکام بھی یہیں سے وصول کرتے ہیں۔

(۷) اسے جنت الماویٰ' اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ماویٰ و مسکن یہی تھا' بعض کہتے ہیں کہ روحیں

اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ﴿۱۶﴾	جب کہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو اس پر چھا رہی تھی۔[1] (۱۶)
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾	نہ تو نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔[2] (۱۷)
لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾	یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔[3] (۱۸)
اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾	کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔(۱۹)
وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾	اور منات تیسرے پچھلے کو۔[4] (۲۰)

یہاں آکر جمع ہوتی ہیں۔(فتح القدیر)

(۱) سدرۃ المنتہیٰ کی اس کیفیت کا بیان ہے جب شب معراج میں آپ ﷺ نے اس کا مشاہدہ کیا' سونے کے پروانے اس کے گرد منڈلا رہے تھے' فرشتوں کا عکس اس پر پڑ رہا تھا' اور رب کی تجلیات کا مظہر بھی وہی تھا۔(ابن کثیر وغیرہ) اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں سے نوازا گیا۔پانچ وقت کی نمازیں' سورۂ بقرہ کی آخری آیات اور اس مسلمان کی مغفرت کا وعدہ جو شرک کی آلودگیوں سے پاک ہو گا (صحیح مسلم' کتاب الإیمان' باب ذکر سدرۃ المنتھیٰ)

(۲) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دائیں بائیں ہوئیں اور نہ اس حد سے بلند اور متجاوز ہوئیں جو آپ ﷺ کے لیے مقرر کر دی گئی تھی۔(ایسر التفاسیر)

(۳) جن میں یہ جبرائیل علیہ السلام اور سدرۃ المنتہیٰ کا دیکھنا اور دیگر مظاہر قدرت کا مشاہدہ ہے جس کی کچھ تفصیل احادیث معراج میں بیان کی گئی ہے۔

(۴) یہ مشرکین کی توبیخ کے لیے کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی یہ تو شان ہے جو مذکور ہوئی کہ جبرائیل علیہ السلام جیسے عظیم فرشتوں کا وہ خالق ہے' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس کے رسول ہیں' جنہیں اس نے آسمانوں پر بلا کر بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ بھی کروایا اور وحی بھی ان پر نازل فرماتا ہے۔کیا تم جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو' ان کے اندر بھی یہ یا اس قسم کی خوبیاں ہیں؟ اس ضمن میں عرب کے تین مشہور بتوں کے نام بطور مثال لیے۔لَاتٌ' بعض کے نزدیک یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے' بعض کے نزدیک لَاتَ یَلِیْتُ سے ہے' جس کے معنی موڑنے کے ہیں' پجاری اپنی گردنیں اس کی طرف موڑتے اور اس کا طواف کرتے تھے۔اس لیے یہ نام پڑ گیا۔بعض کہتے ہیں' کہ لات میں تا مشدد ہے۔لَتَّ یَلُتُّ سے اسم فاعل (ستو گھولنے والا) یہ ایک نیک آدمی تھا' حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا' جب یہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا' پھر اس کے مجسمے اور بت بن گئے۔یہ طائف میں بنو ثقیف کا سب سے بڑا بت تھا۔عُزّٰی کہتے ہیں یہ اللہ کے صفاتی نام عَزِیْزٌ سے ماخوذ ہے' اور یہ أَعَزُّ کی تانیث ہے بمعنی عَزِیْزَۃٌ بعض کہتے ہیں

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾

کیا تمہارے لیے لڑکے اور اللہ کے لیے لڑکیاں ہیں؟[۱] (۲۱)

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

یہ تو اب بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔[۲] (۲۲)

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾

دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ان کے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یقیناً ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔(۲۳)

کہ یہ غطفان میں ایک درخت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی، بعض کہتے ہیں کہ شیطانی (بھوتنی) تھی جو بعض درختوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنگ ابیض تھا جس کو پوجتے تھے۔ یہ قریش اور بنو کنانہ کا خاص معبود تھا۔ مَنٰوة، مَنَى يَمْنِي سے ہے جس کے معنی صَبَّ (بہانے) کے ہیں۔ اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے لوگ کثرت سے اس کے پاس جانور ذبح کرتے اور ان کا خون بہاتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بت تھا (فتح القدیر) یہ قدید کے بالمقابل مشلل جگہ میں تھا، بنو خزاعہ کا یہ خاص بت تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج یہیں سے احرام باندھتے تھے اور اس بت کا طواف بھی کرتے تھے (ایسر التفاسیر و ابن کثیر) ان کے علاوہ مختلف اطراف میں اور بھی بہت سے بت اور بت خانے پھیلے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اور دیگر مواقع پر ان بتوں اور دیگر تمام بتوں کا خاتمہ فرما دیا۔ ان پر جو قبے اور عمارتیں بنی ہوئی تھیں، وہ مسمار کروا دیں، ان درختوں کو کٹوا دیا، جن کی تعظیم کی جاتی تھی اور وہ تمام آثار و مظاہر مٹا ڈالے گئے جو بت پرستی کی یادگار تھے، اس کام کے لیے آپ ﷺ نے حضرت خالد، حضرت علی، حضرت عمرو بن عاص اور حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین کو، جہاں جہاں یہ بت تھے، بھیجا اور انہوں نے جا کر ان سب کو ڈھا کر سرزمین عرب سے شرک کا نام مٹا دیا۔ (ابن کثیر) قرون اولیٰ کے بہت بعد ایک مرتبہ پھر عرب میں شرک کے یہ مظاہر عام ہو گئے تھے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوۃ شیخ محمد بن عبد الوہاب کو توفیق دی، انہوں نے درعیہ کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر قوت کے ذریعے سے ان مظاہر شرک کا خاتمہ فرمایا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر سلطان عبد العزیز والی نجد و حجاز (موجودہ سعودی حکمرانوں کے والد اور اس مملکت کے بانی) نے کی اور تمام پختہ قبروں اور قبوں کو ڈھا کر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احیا فرمایا اور یوں الحمد للہ اب پورے سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی مزار

(۱) مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، یہ اس کی تردید ہے، جیسا کہ متعدد جگہ یہ مضمون گزر چکا ہے۔

(۲) ضِيْزٰى، حق و صواب سے ہٹی ہوئی۔

أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾

کیا ہر شخص جو آرزو کرے اسے میسر ہے؟ (۱) (۲۴)

فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾

اللہ ہی کے ہاتھ ہے یہ جہان اور وہ جہان- (۲) (۲۵)

وَكَم مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾

اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی مگر یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خوشی اور اپنی چاہت سے جس کے لیے چاہے اجازت دے دے- (۳) (۲۶)

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ ﴿٢٧﴾

بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کا زنانہ نام مقرر کرتے ہیں-(۲۷)

وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾

حالانکہ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور بیشک وہم (وگمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا-(۲۸)

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾

تو آپ اس سے منہ موڑلیں جو ہماری یاد سے منہ موڑے اور جن کا ارادہ بجز زندگانیٔ دنیا کے اور کچھ نہ ہو-(۲۹)

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣٠﴾

یہی ان کے علم کی انتہا ہے- آپ کا رب اس سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی خوب واقف ہے اس سے بھی جو راہ یافتہ ہے-(۳۰)

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ اللہ تعالیٰ برے عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ

---

(۱) یعنی یہ جو چاہتے ہیں کہ ان کے یہ معبود انہیں فائدہ پہنچائیں اور ان کی سفارش کریں یہ ممکن ہی نہیں ہے-

(۲) یعنی وہی ہو گا' جو وہ چاہے گا' کیونکہ تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں-

(۳) یعنی فرشتے' جو اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے' ان کو بھی شفاعت کا حق صرف انہی لوگوں کے لیے ملے گا جن کے لیے اللہ پسند کرے گا' جب یہ بات ہے تو پھر یہ پتھر کی مورتیاں کس طرح کسی کی سفارش کر سکیں گی؟ جن سے تم آس لگائے بیٹھے ہو' نیز اللہ تعالیٰ مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کا حق بھی کب دے گا' جب کہ شرک اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے؟

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

عنایت فرمائے۔[1] (۳۱)

ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور بے حیائی سے بھی[2] سوائے کسی چھوٹے سے گناہ کے۔[3] بیشک تیرا رب بہت کشادہ مغفرت والا ہے، وہ تمہیں بخوبی جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جبکہ تم اپنی

(۱) یعنی ہدایت اور گمراہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے، تاکہ نیکوکار کو اس کی نیکیوں کا صلہ اور بدکار کو اس کی برائیوں کا بدلہ دے ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ یہ جملہ معترضہ ہے اور لِيَجْزِيَ کا تعلق گزشتہ گفتگو سے ہے۔(فتح القدیر)

(۲) كَبَائِرُ، كَبِيْرَةٌ کی جمع ہے۔ کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ زیادہ اہل علم کے نزدیک ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر جہنم کی وعید ہے، یا جس کے مرتکب کی سخت مذمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ چھوٹے گناہ پر اصرار و دوام بھی اسے کبیرہ گناہ بنا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کے معنی اور ماہیت کی تحقیق میں اختلاف کی طرح، اس کی تعداد میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض علما نے انہیں کتابوں میں جمع بھی کیا ہے۔ جیسے کتاب الکبائر للذہبی اور الزواجر وغیرہ۔ فَوَاحِشُ، فَاحِشَةٌ کی جمع ہے، بے حیائی پر مبنی کام، جیسے زنا، لواطت وغیرہ۔ بعض کہتے ہیں، جن گناہوں میں حد ہے، وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ آج کل بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں، اس لیے بے حیائی کو "تہذیب" سمجھ لیا گیا ہے، حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس "تہذیب بے حیائی" کو اپنا لیا ہے۔ چنانچہ گھروں میں ٹی وی، وی سی آر وغیرہ عام ہیں، عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیرباد کہہ دیا ہے، بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وطیرہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم، مخلوط ادارے، مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے، دراں حالیکہ یہ سب "فواحش" میں داخل ہیں۔ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے، وہ کبائر و فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔

(۳) لَمَمٌ کے لغوی معنی ہیں، کم اور چھوٹا ہونا، اسی سے اس کے یہ استعمالات ہیں اَلَمَّ بِالْمَكَانِ (مکان میں تھوڑی دیر ٹھہرا) اَلَمَّ بِالطَّعَامِ (تھوڑا سا کھایا)، اسی طرح کسی چیز کو محض چھو لینا، یا اس کے قریب ہونا، یا کسی کام کو ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کرنا، اس پر دوام و استمرار نہ کرنا، یا محض دل میں خیال کا گزرنا، یہ سب صورتیں لَمَمٌ کہلاتی ہیں، (فتح القدیر) اس کے اس مفہوم اور استعمال کی رو سے اس کے معنی صغیرہ گناہ کیے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے گناہ کے مبادیات کا ارتکاب، لیکن بڑے گناہ سے اجتناب کرنا، یا کسی گناہ کا ایک دو مرتبہ کرنا پھر ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ دینا، یا کسی گناہ کا محض دل میں خیال کرنا لیکن عملاً اس کے قریب نہ جانا، یہ سارے صغیرہ گناہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کبائر سے اجتناب کی برکت سے معاف فرما دے گا۔

ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے [1] پس تم اپنی پاکیزگی آپ بیان نہ کرو، [2] وہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔(٣٢)

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾

کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے منہ موڑ لیا۔(٣٣)

وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿٣٤﴾

اور بہت کم دیا اور ہاتھ روک لیا۔ [3] (٣٤)

أَعِندَهُۥ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرَىٰ ﴿٣٥﴾

کیا اسے علم غیب ہے کہ وہ (سب کچھ) دیکھ رہا ہے؟ [4] (٣٥)

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ (علیہ السلام) کے۔(٣٦)

وَإِبْرَٰهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰٓ ﴿٣٧﴾

اور وفادار ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں تھا۔(٣٧)

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾

کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔(٣٨)

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَٰنِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾

اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ [5] (٣٩)

وَأَنَّ سَعْيَهُۥ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾

اور یہ کہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی

---

(١) أَجِنَّةٌ، جَنِينٌ کی جمع ہے جو پیٹ کے بچے کو کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ لوگوں کی نظروں سے مستور ہوتا ہے۔

(٢) یعنی جب اس سے تمہاری کوئی کیفیت اور حرکت مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب تم ماں کے پیٹ میں تھے، جہاں تمہیں کوئی دیکھنے پر قادر نہیں تھا، وہاں بھی تمہارے تمام احوال سے وہ واقف تھا، تو پھر اپنی پاکیزگی بیان کرنے کی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کیا ضرورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ کرو۔ تاکہ ریاکاری سے تم بچو۔

(٣) یعنی تھوڑا سا دے کر ہاتھ روک لیا۔ یا تھوڑی سی اطاعت کی اور پیچھے ہٹ گیا أَکْدَیٰ کے اصل معنی ہیں کہ زمین کھودتے کھودتے سخت پتھر آجائے اور کھدائی ممکن نہ رہے۔ بالآخر وہ کھدائی چھوڑ دے تو کہتے ہیں أَکْدَیٰ یہیں سے اس کا استعمال اس شخص کے لیے کیا جانے لگا جو کسی کو کچھ دے لیکن پورا نہ دے، کوئی کام شروع کرے لیکن اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچائے۔

(٤) یعنی کیا وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے فی سبیل اللہ خرچ کیا تو اس کا مال ختم ہو جائے گا؟ نہیں، غیب کا یہ علم اس کے پاس نہیں ہے بلکہ وہ خرچ کرنے سے گریز محض بخل، دنیا کی محبت اور آخرت پر عدم یقین کی وجہ سے کر رہا ہے اور اطاعت الٰہی سے انحراف کی وجوہات بھی یہی ہیں۔

(٥) یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہیں ہوگا، اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا، جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی۔ (اس جزا کا تعلق آخرت سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جیسا کہ بعض سوشلسٹ قسم

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾
وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾
وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ﴿٤٣﴾
وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿٤٤﴾
وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٤٥﴾
مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿٤٦﴾
وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿٤٧﴾
وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿٤٨﴾

جائے گی۔[1] (۴۰)
پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔(۴۱)
اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔(۴۲)
اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔(۴۳)
اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔(۴۴)
اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نر و مادہ پیدا کیا ہے۔(۴۵)
نطفہ سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا ہے۔(۴۶)
اور یہ کہ اسی کے ذمہ دوبارہ پیدا کرنا ہے۔(۴۷)
اور یہ کہ وہی مالدار بناتا ہے اور سرمایہ دیتا ہے۔[2] (۴۸)

کے اہل علم اس کا یہ مفہوم باور کرا کے غیر حاضر زمینداری اور کرایہ داری کو ناجائز قرار دیتے ہیں) البتہ اس آیت سے ان علما کا استدلال صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ یہ مردہ کا عمل ہے نہ اس کی محنت۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو مردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص یا اشارۃ النص سے اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل منقول نہیں۔ اگر یہ عمل، عمل خیر ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اسے ضرور اختیار کرتے۔ اور عبادات و قربات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے، اس میں رائے اور قیاس نہیں چل سکتا۔ البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے، اس پر تمام علما کا اتفاق ہے، کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔ اور وہ جو حدیث ہے کہ مرنے کے بعد تین چیزوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تو وہ بھی دراصل انسان کے اپنے عمل ہیں جو کسی نہ کسی انداز سے اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اولاد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انسان کی اپنی کمائی قرار دیا ہے۔ (سنن النسائی، کتاب البیوع، باب الحث علی الکسب) صدقۂ جاریہ، وقف کی طرح انسان کے اپنے آثار عمل ہیں۔ ﴿ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ﴾ (یٰسٓ ۔ ۱۲) اسی طرح وہ علم، جس کی اس نے لوگوں میں نشر و اشاعت کی اور لوگوں نے اس کی اقتدا کی، تو یہ اس کی سعی اور اس کا عمل ہے اور بمصداق حدیث نبوی «مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلِ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، من غَيْرِ أَنْ يَنقصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيئاً» . (سنن أبی داود کتاب السنة، باب لزوم السنة) اقتدا کرنے والوں کا اجر بھی اسے پہنچتا رہے گا۔ اس لیے یہ حدیث، آیت کے منافی نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

(۱) یعنی دنیا میں اس نے اچھا یا برا جو بھی کیا، چھپ کر کیا یا علانیہ کیا، قیامت والے دن سامنے آجائے گا اور اس پر اسے پوری جزا دی جائے گی۔

(۲) یعنی کسی کو اتنی تونگری دیتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جاتی ہیں اور کسی کو اتنا

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾
اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔[1] (۴۹)

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا لِۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾
اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا ہے۔[2] (۵۰)

وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾
اور ثمود کو بھی (جن میں سے) ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔(۵۱)

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾
اور اس سے پہلے قوم نوح کو' یقیناً وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔(۵۲)

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾
اور مؤتفکہ (شہر یا الٹی ہوئی بستیوں کو) اسی نے الٹ دیا۔[3] (۵۳)

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾
پھر اس پر چھا دیا جو چھایا۔[4] (۵۴)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾
پس اے انسان تو اپنے رب کی کس کس نعمت کے بارے میں جھگڑے گا؟[5] (۵۵)

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾
یہ (نبی) ڈرانے والے ہیں پہلے ڈرانے والوں میں سے۔(۵۶)

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾
آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے۔(۵۷)

لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾
اللہ کے سوا اس کا (وقت معین پر کھول) دکھانے والا اور کوئی نہیں۔(۵۸)

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾
پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟[6] (۵۹)

سرمایہ دے دیتا ہے کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد بچ رہتا ہے اور وہ اس کو جمع کر کے رکھتا ہے۔

(۱) رب تو وہ ہر چیز کا ہے' یہاں اس ستارے کا نام اس لیے لیا ہے کہ بعض عرب قبائل اس کو پوجا کرتے تھے۔

(۲) قوم عاد کو اولیٰ اس لیے کہا کہ یہ ثمود سے پہلے ہوئی' یا اس لیے کہ قوم نوح کے بعد سب سے پہلے یہ قوم ہلاک کی گئی۔ بعض کہتے ہیں' عاد نامی دو قومیں گزری ہیں' یہ پہلی ہے جسے باد تند سے ہلاک کیا گیا جب کہ دوسری زمانے کی گردشوں کے ساتھ مختلف ناموں سے چلتی اور بکھرتی ہوئی موجود رہی۔

(۳) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں ہیں' جن کو ان پر الٹ دیا گیا۔

(۴) یعنی اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

(۵) یا شک کرے گا اور ان کو جھٹلائے گا' جب کہ وہ اتنی عام اور واضح ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہے نہ ان کا اخفا ہی۔

(۶) بات سے مراد قرآن کریم ہے' یعنی اس سے تم تعجب کرتے اور اس کا استہزا کرتے ہو' حالانکہ اس میں نہ تعجب والی

وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ اور ہنس رہے ہو؟ روتے نہیں؟(۶۰)

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ (بلکہ) تم کھیل رہے ہو۔(۶۱)

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ اب اللہ کے سامنے سجدے کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔[1] (۶۲)

السجدۃ ۱۰

سُوْرَةُ الْقَمَرِ

سورۂ قمر مکی ہے اور اس میں پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ قیامت قریب آگئی[2] اور چاند پھٹ گیا۔[3] (۱)

کوئی بات ہے نہ استہزا و تکذیب والی۔

(۱) یہ مشرکین اور مکذبین کی توبیخ کے لیے حکم دیا۔ یعنی جب ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ قرآن کو ماننے کے بجائے' اس کا استہزا و استخفاف کرتے ہیں اور ہمارے پیغمبر کے وعظ و نصیحت کا کوئی اثر ان پر نہیں ہو رہا ہے' تو اے مسلمانو! تم اللہ کی بارگاہ میں جھک کر اور اس کی عبادت و اطاعت کا مظاہرہ کرکے قرآن کی تعظیم و توقیر کا اہتمام کرو۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ نے سجدہ کیا' حتیٰ کہ اس وقت مجلس میں موجود کفار نے بھی سجدہ کیا۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

☆ یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید میں پڑھا کرتے تھے۔ کَمَا مَرَّ۔

(۲) ایک تو بہ اعتبار اس زمانے کے جو گزر گیا' کیونکہ جو باقی ہے' وہ تھوڑا ہے۔ دوسرے' ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی بابت فرمایا کہ میرا وجود قیامت سے متصل ہے' یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں آئے گا۔

(۳) یہ وہ معجزہ ہے جو اہل مکہ کے مطالبے پر دکھایا گیا' چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو اس کے درمیان دیکھا۔ یعنی اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف اور ایک ٹکڑا اس طرف ہو گیا۔ (صحیح بخاری' کتاب مناقب الأنصار' باب انشقاق القمر وتفسیر سورۃ اقتربت الساعۃ۔ و صحیح مسلم کتاب صفۃ القیامۃ 'باب انشقاق القمر) جمہور سلف و خلف کا یہی مسلک ہے (فتح القدیر) امام ابن کثیر لکھتے ہیں "علما کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ انشقاق قمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا اور یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات میں سے ہے' صحیح سند سے ثابت احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں"۔